تفسیر سورہ حمد

خواجہ عبداللہ انصاری

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اہلِ عرفان کے مطابق

ب : بہارِ خدا کو ظاہر کرتا ہے۔

س : سنائے (چمک) خدا کو ظاہر کرتا ہے۔

م : اللہ کی مالکیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اہلِ معرفت کے مطابق

ب : بہار کو ظاہر کرتا ہے۔

س : صمدیت کی آب و تاب کو ظاہر کرتا ہے۔

م : الوہیت پر تسلط کو ظاہر کرتا ہے۔

اس وحدانیت کا حسن ازلی ہے۔ اس کی آب و تاب کریمانہ ہے۔ اس کی دسترس، حاکمیت اور قدرت وسیع ہے۔ اس کا جمال پر جلال ہے۔ اس کی مالکیت پُر عظمت ہے۔ اس کی حاکمیت ناقابلِ اختتام ہے۔ اس کا

جمالِ قلوب کے لیے مسحور کن ہے۔ اس کی عظمت اس کی محبت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کی قدرت ابطاء سے عاری ہے۔

اے خدائے پاک! تو جس کی عظمت اپنے اندر ہر اچھائی لیے ہوئے ہے۔ تو کامل اور قادرِ مطلق ہونے کے باعث ہر خطا سے پاک ہے۔ زہرہ تیری قدرت کے ساز پر رقص کناں ہے اور سورج تیرے جمال پر رشک کرتا ہے۔

اہلِ ذوق کے مطابق

ب : اہلِ اللہ پر ''برکتوں'' کا نزول ہے۔
س : اہلِ اخلاص کا ''سرِّ زندگانی'' ہے۔
م : اہلِ قرب کے لیے ''مرادِ منزل'' ہے۔
ب : غلاموں کے لیے ''بابِ کرم'' ہے۔
س : اہلِ محبت کے لیے ''سرورِ جاوداں'' ہے۔
م : "مومن و مہیمن" ذاتِ باری ہے۔

ان معانی کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ جب خدائے بزرگ و برتر نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو عرب کے لوگ بھی تین گروہوں میں منقسم تھے۔ بت پرست، یہودی اور نصرانی۔ بت پرست اللہ کے نام سے واقف تھے اور یہ لفظ ان میں کافی معروف تھا۔ اہلِ یہود رحمٰن کے نام سے شناسائی رکھتے تھے اور رحمٰن کا لفظ تورات میں بھی مذکور تھا۔ جب کہ عیسائی رحیم کے لفظ سے آشنا تھے کہ انجیل میں اس نام کا تذکرہ تھا۔

اللہ کے نام سے آغاز کرنے اور بعد ازاں رحمٰن اور پھر رحیم کا نام استعمال کرنے کی وجہ یہی ہے کہ ہر چیز سے اول، ہر اول سے اول اس خالق باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کے بعد قوت و کبریائی اور دوسری صفات کا تذکرہ ہے۔ آخر میں معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے کا نام استعمال کیا۔ یعنی میں نے قوتِ تخلیق سے خلق کیا، میں نے زندگی بخشی اور رزق و روزی بہم پہنچائی اور میں اپنے رحم سے ہی معاف کرتا ہوں۔

پیر طریقت فرماتے ہیں:

> ''اے اللہ تیرا نامِ پاک، ہمارے لیے محفوظ ترین راستہ ہے تیری محبت ایک ناؤ ہے۔ تیری پہچان ہمارے لیے باعثِ امان ہے اور تیری لطیف مہربانیاں ہم پر واضح ہیں۔ اے اللہ تو کمزوریوں کے لیے پناہ گاہ ہے۔ مسافروں کے لیے تُو منزلِ

مقصود ہے اور اہل ایمان کے لیے تو ہی گواہ ہے۔ وہ کتنا عظیم ہے جو صرف تیری ہی طلب کرتا ہے''۔

اگر خدائے ذوالجلال کی عظمت کا سایہ نہ ہو تو ہم اس کے گلشنِ راز میں کیسے قدم رکھیں اگر اس کی رحمت ہم پر نہ برسے تو ہم کیونکر اس تک پہنچ سکیں۔ ہمارا اس کے دربار پر عظمت میں کیا مقام ہو؟ اگر اس قیوم کی محبت ہم پر نہ ہو تو ہمیں کیسے اس ذاتِ مقدس کا علم ہو؟

اس دنیا و کائنات کی لذت اللہ باری تعالیٰ کے نام سے ہی خوش ہے۔

مقام سزا اس کی معافی کے طفیل انبساط انگیز ہے۔

بہشت اس کے دیدار کی بدولت ہی مسرت بخش ہے۔

اگر خدائے تعالیٰ کا نام و پیغام نہ ہوتا تو اس غلام کی منزلِ مقصود کیا ہوتی؟ اگر اس کی مغفرت و رحیمیّت اور کریمیت نہ ہوتی تو اس دارِ جزا و سزا میں اس غلام کی مشقت بہت پُر کٹھن ہوتی۔ اگر بہشت میں اس باری تعالیٰ کا، قلب کو گرمانے والا، تصور نہ ہوتا تو یہ بیچاری روح لطف و مسرت کے لیے کہاں بھٹکتی پھرتی؟۔

اے رب العالمین! تیرے ایک اشارے سے ہم اس قابل ہوئے کہ ہم دیکھ سکیں۔ تیری عظمت کے تصور سے ہمیں زندگانی ملی اور تیرے نام کی برکت سے ہماری حیات کو معراج ملی۔ ہم تیری یاد سے شادمان و مسرور اور تیری محبت کے جام سے مخمور ہیں۔

بسم اللہ ہماری غلامی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر کوئی بسم اللہ کہتا ہے تو اپنے حلقہ بگوش ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جب غلام ''بسم اللہ'' ادا کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے اے اللہ پاک! میں تیری غلامی کا اقرار کرتے ہوئے خوشی و مسرت محسوس کرتا ہوں۔ میں اپنے ذاتی وجود میں عجیب کرب محسوس کرتا ہوں۔ اے مولا کریم! مجھے میرے وجود سے محروم کر دے تا کہ تیرا وجود میرے مسائل کو حل کر دے۔ اے اللہ تیرے وجود پاک سے میرے دل کے علم اور نور کو جلا ملتی ہے۔ تیری رضا نے میری تقدیر بنائی ہے جس سے میری جدوجہد اور کاوشوں کو فروغ ملا۔ اے مالک! میں نے اپنے وجود میں سوائے کلفتوں اور مصائب کے کیا دیکھا اور تیرے وجود پاک میں سوائے رحمت اور کرم کے تحفوں کے کیا دیکھا؟

کتاب اللہ کا آغاز اللہ (ایک سچی حقیقت) کے نام رحمٰن و رحیم سے ہوتا ہے کہ تمام معانی و مطالب ان میں مدغم و مجتمع ہیں۔ یہ معانی تین حصوں میں منقسم ہیں۔ اولاً شانِ کبریائی، جلال، عظمت اور توصیف جو ''اللہ'' کے نام ہیں ثانیاً احترام، بزرگی، فضلِ ربی، عنایت، کرم، احسان، نوازش، عطیہ، فیض، لطف، رزق کی فراہمی جو ''رحمٰن'' کے نام میں پائے جاتے ہیں۔ ثلاثتاً رحم، مہربانی اور معاف درگزر کر دینے کے معانی ''رحیم'' میں پائے جاتے ہیں۔

ابتدا، اسمِ رب سے جو ہے بہت مہربان اور رحم کرنے والا

اہلِ عرفان (بصیرت و ادراک) کے مطابق بسم اللہ میں اللہ کی وحدانیت، خوبصورتی درخشانی اور ملکیتِ مطلقہ کے خزانے مضمر ہیں۔

الحمداللّٰہ! تمام تعریفیں اس ذات مہربان کے لیے ہیں۔

وہ خالق جو ہماری روزانہ روزی و رزق کا مہیا کرنے والا ہے۔ لفظی لحاظ سے بھی، معنوی لحاظ سے بھی مہربان وہ مولائے کُل جو نظر نہ آنے پر بھی مل جاتا ہے۔ جو سب کے لیے عزیز و قریب ہے۔ وہ غیبی، جو محبت کا ماخذ ہے۔ وہ ناقابلِ شریک و ناقابلِ اشتراک قوتِ مطلقہ ہے۔ وہ ناقابلِ تغیر جاری و باقی ہے۔ اس کی قوت لافانی و لازوال ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں اعلیٰ و ارفع ہے۔ ہمیشہ رہنے والا اور اس کی شان بلند و بالا رہنے والی ہے۔

قرآن حکیم اپنی جاہ و جلال و عظمت سے اس خالقِ مطلق کے بندوں کی بے چارگی و بے بسی پر دلالت کرتا ہے لیکن اپنی اکملیتِ مطلقہ اور ضوفشاں بڑائی اور پاکیزگی کے طفیل خدائے بزرگ و برتر نے انسان کو اس ارض پر اپنا خلیفہ متمکن کیا ہے۔ اس نے اپنی عظمت کے اشارے مہیا کیے ہیں۔ اس نے انسان کو اپنی شان و عظمت سے روشناس کیا ہے اور انہیں رہنمائی باہم پہنچائی۔ اگر اس کا کرم اور اس کی نوازشیں شامل حال نہ ہوں تو ہم پر اس کی عظمت اور بڑائی کون آشکارا کرے۔ اے سبحان تعالیٰ، تو صرف خود اپنی تعریف کل ہے۔ اے اللہ پاک، تو اپنی مناعم ہائے غیر مترقبہ کے لیے ہمیں ادائے شکر کی توفیق دینے والا ہے۔ میں اپنے تئیں نہایت نحیف ہوں اور تیری خدمت کماحقہ، بجا لانے کی قابلیت و اہلیت نہیں رکھتا۔ میں نہایت کمزور ہوں اور میری عقل نہایت ناقص ہے جو تیری عظمتوں کا ادراک و احاطہ کر سکے۔ میں اس ہمت و سکت سے نابلد ہوں جو تیری بے پناہ نعمتوں اور نوازشوں کا صلہ دے سکے۔

یا رب العزت تو خود ہی اپنی تعریف و توصیف سے واقف ہے۔ اے اللہ! اے ہمیں مناعم ہائے غیر مترقبہ کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا کرنے والے! میری ہستی اتنی کمزور، بے بس اور لاچار ہے کہ میں اپنے آپ کو تیری راہ میں خدمت کرنے کی قابلیت، اہلیت و سکت سے محروم پاتا ہوں۔ اپنی عقلِ ناقص کی بنا پر تیری وسعتوں، عظمتوں اور بزرگیوں کے ادراک سے ناآشنا، میں اپنے اُوپر ہونے والی نوازشوں، رحمتوں اور برکتوں کا خفیف ترین صلہ دینے سے بھی محروم ہوں۔

اے کریم مطلق! میں ایسے درد میں مبتلا قیدی ہوں جس کا درماں صرف تیری ذاتِ قدوس ہے۔ میں اپنی جبیں میں ایسے سجدوں کی تڑپ رکھتا ہوں۔ جس کی مستحق صرف تیری ذات ہے۔ میں تیرے متعلق کیا جان سکتا ہوں۔ جب کہ تو ازل سے ظاہر ہے۔ تیری ذات وہی ہے جس کو تو نے اپنے لیے بیان کر دیا ہے۔

جان لو! تعریف و توصیف یا نعمتیں عطا کرنے والے کا مشاہدہ کرنے سے آتی ہے یا اس خدائے

ذوالجلال کی جانب سے عطا شدہ پُر عظمت نعمتوں کا مشاہدہ کرنے سے۔ اللہ سبحان تعالیٰ کے حضور تعریف و توصیف، تہلیل و تسبیح کرتے ہوئے تابعداری کے راستے پر چلنا ہمارے لیے باعثِ انبساط ہونا چاہیے کہ یہ تعریف و تہلیل خدائے بزرگ و برتر کی برتری کا مشاہدہ کرتے ہوئے نصیب ہوتی ہے اور کل وہ ہمیں اپنے گلستانِ ابدی میں لے جائے گا۔ اس تعریف کی توفیق و تصدیق ان حوصلہ مندوں کے ظروف میں ودیعت ہوئی ہے جن کو سبحان عزّ وجل کی جانب سے اپنے تعلق چاہت اور شوق کی شراب نوش جان کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ سب تعریفوں اور شانوں کے مالکِ حقیقی کی جانب نہایت عجز و انکسار سے دیکھتے ہیں اور ایسے مقامات اور نکتوں پر شرمسار ہوتے ہیں۔ جہاں ان سے کمی، کجی اور کوتاہی کا ارتکاب ہوا ہو۔ انہوں نے سچ کا ذکر سنا۔ محض حق کا اقرار و اقبال کیا۔ رحم والتفات کے لطیف اشاروں پر ہمہ تن گوش ہوئے۔ اس کی محبت پر توکل، اعتقاد اور اعتماد کا اظہار کیا اور قائم و دائم رہنے والی ذات کے دریچہ محبت تک پہنچ گئے۔ ایسے حوصلہ مندوں نے پہلے ہدف کو تلاش کرنے کی مشق کی اور پھر اپنے سے بے خود نا آشنا ہو کر وحدت الوجود میں گم ہو گئے۔ پھر اپنے محبوب کو دیکھا اور خواہشات سے پُر قلب و نفس کو اپنی غلامی میں لے لیا۔

پیر طریقت فرماتے ہیں: یہ جہاں اور اگلا جہاں دونوں محبت کے جذبوں میں سمائے ہوئے ہیں اور محبت رحمٰن و رحیم میں سمائی ہوئی ہے تو کیا اب بھی میں ربّ کے لیے لفظ ''وہ'' استعمال کروں۔

میری آنکھوں میں خدائے ذوالجلال کی محبت سمائی ہوئی ہے۔

میں اپنی آنکھوں سے اس وقت تک لطف و لذت حاصل کرتا رہوں گا۔ جب تک یہ بحث وہاں موجود ہے۔ میرے لیے اپنی آنکھ اور اپنی محبت میں تفریط و افتراق کرنا غلط ہے یا تو میری آنکھ ہی میری محبت ہے یا میرے محبوب نے میری آنکھ کی جگہ لے لی ہے۔

رب العالمین — تمام جہانوں کا مولا اور ربوبیت کرنے والا۔

وہ ایک کو بدنِ ظاہری کے لیے رزق و روزی فراہم کرتا ہے اور ایک کو قلب کے لیے روحانی غذا بہم پہنچاتا ہے۔ ایک کا ظاہری جسم اس کی عظمت و شان کے سہارے کا مرہون منت ہے تو دوسرے کا قلب اس عظمت و شان کے نگہبان و پاسبان کا رہینِ منت۔

تعریف کا مستحق ہے وہ جو اپنی طرف سے خدمت کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اس محبوبِ مطلق ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت کو سمائے رکھنا جو اہل اللہ کا وصف ہے اس عبدِ مبارک کے لیے فتحِ مبین کے اشارے ہیں جو اپنے محبوب کی محبت کی جانب گامزن ہے۔

تیری محبت و رضا کی فہم ہم سب کے لیے مشروب شیریں ہے کہ تو ہر ایک کے لیے منتہائے مقصود ہے۔

اے تب و تاب جاوداں رکھنے والے اور ہر امت کے لیے نور پہنچانے والے۔ ہر ذی شان و ذی وقار

اے تب و تاب جاوداں رکھنے والے اور ہر امت کے لیے نور پہنچانے والے۔ ہر ذی شان و ذی وقار تیری شان اور تیرے جمال کا محتاج ہے۔

الرحمٰن الرحیم وہ ذاتِ رحمٰن ہے

کہ ہر کٹھن و پیچیدہ راہ کو آسان بنانے والا ہے۔ وہ رحیم ہے کہ اس نے اپنی راہ میں چلنے والوں کے لیے اپنی محبت کی قندیل روشن کر رکھی ہے۔ جب سے میری محبت و تابعداری کا الحاق تیری محبت و رضا سے ہوا میں بہشت نشینوں سے آگے بڑھ گیا۔

وہ رحمٰن ہے کہ وہ اپنی راہ پر چلنے والوں کی جدوجہد و جہاد کو کامرانیاں عطا کرتا ہے وہ رحیم ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے لیے قوتِ تصدیق و شہادت عطا کرتا ہے۔ اول الذکر مقامِ مرید ہے (مرید یعنی راہ حق کا متلاشی) ثانی الذکر ''مراد'' ہے۔ مرید نے کامیابی کی قندیل حاصل کی اور اس مقام پر پہنچ گیا کہ کلمۂ شہادت کے ذائقے سے آشنا ہوا۔ مراد نے تصدیق کی قندیل حاصل کی اور حقیقت ابدلی میں مستغرق ہو گیا کہ جب راہِ حق کے متلاشی کی دوریٔ نفس، قربِ الٰہی کو مدعو کرتی ہے۔ جب وہ اپنے نفس کو تفریق کرتا ہے تو ''اس'' کے مقام کو پہنچانا شروع کر دیتا ہے۔ رب ان سے دور نہیں جن کا مطمعٔ نظر قرب ربی کا حصول ہے۔ نہ ہی وہ ان کے لیے غیر محسوس و غیر مانوس ہے جو اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ نہ وہ ان کے لیے پوشیدہ و پنہاں ہے جو اس کے قرب کے ملتجی ہیں۔

اے رب ذوالجلال! ہمارے قلوب پر رحم و کرم کی بارش کر اور ہم بھٹکے ہوؤں کو اپنے نُور سے منور کر کہ اس منقسم و منتشر امت کے دکھوں اور مصائب کا مداوا و ازالہ ہو۔

مالک یوم الدین

یہ احکم الحٰکمین کی فرماں روائیِ مطلق اور اس کی ابدیت کی جانب اشارہ ہے۔ ہر حکومت، فضیلت، بادشاہت، فوقیت ایک دن زوال پذیر اور معدوم ہو جائے گی۔ مگر اس قادر مطلق کی قدرت نہ ختم ہو گی نہ اسے زوال ہے۔ اس جہاں میں یا اگلے جہاں میں کوئی بھی اس کی دسترس و قدرت سے باہر نہیں۔ کسی کو اس جیسی قدرت و طاقت نصیب نہیں۔ آج وہ ہمارا مولا ہے اور ہماری ربوبیت کرنے والا ہے اور کل وہ مالکِ کُل ہے یومِ حساب کا۔ تمام جہانوں میں اس کی قدرت و حکومت ہر قسم کے اشتراک سے پاک و مبرا ہے۔ وہ ہر احتیاج سے بالا تر ہے تو پھر ایک عبد اور غلام کے پاس کیا قوتِ انتخاب ہے؟ اور جس کے پاس قوتِ انتخاب نہیں، اس کے پاس کوئی قوت نہیں، کوئی حکومت نہیں، کوئی اختیار نہیں۔

''دین'' کا لفظ یہاں احتساب اجر اور جزا کے معانی میں مستعمل ہوا ہے۔ فرمان ہوا ہے کہ میں اپنی

ہوں۔ وہ اس سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ یومِ احتساب اس ذاتِ کبریا کے جاہ وحشم اور جبر وقہر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مگر اس کی رحمانیت اور رحیمیت نے ہمارے بُرے افعال کومعاف کر رکھا ہے۔ اللہ جل شانہ، اپنی بے کراں رحمت وکرم سے نوازتا ہے تاکہ وہ ہمیں اپنی مضبوط پکڑ اور لامحدود رسائی سے روشناس کروائے۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے۔ جب کبھی وہ ہم پر اپنے جاہ وجلال کی ضرب لگاتا ہے تو فوراً اپنی رحمانیت اور رحیمیت کا مرہم بھی ہمارے زخموں پر عطا کرتا ہے۔

پیرِ طریقت فرماتے ہیں: کہ جب یومِ احتساب مجھے قدرت نے زبان اور گویائی سے نوازا تو میں عرض کروں گا کہ اے مولا میں نے جو کچھ بھی کیا۔ اس میں اولاً میرے سجدے کی طرف دیکھ کہ میں اپنے قلب میں تیرے شوق اور تیری طلب کے بغیر کبھی سجدہ نشین نہ ہوا۔ ثانیاً یہ کہ میرے یقین کو دیکھ کہ تو نے جو کہا میں نے اس پر تصدیق کی اور لبیک کہا۔ ثالثاً یہ کہ جب تیرے رحم وکرم کی لہریں میرے دل میں موجزن ہوئیں تو میں نے صرف تیری طلب کی اور تجھے چاہا۔

میری سوائے تیرے کوئی جستجو و آرزو نہیں۔
میں تیرے ذکر سے خالی ایک سانس کا بھی خواہش مند نہیں۔

ایاك نعبدو ایاك نستعین — ہم تیری ہی پرستش وعبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کے طلب گار ہیں۔

یہ آیتِ قرآنی ایسے دوستونوں کی جانب اشارہ کرتی ہے جو دین کی زینت ہیں۔ یہ ستون تقویٰ کی راہ کی بنیاد ہیں۔ ستون اول تو ایسی پرستش وعبادت اور خدمت سے زیبائش نفس کرنا اور ایسی نفاق سے مبرا تابعداری سے زینت نفس کرنا جو ماسوائے معبود حقیقی کے کسی اور کے لیے نہ ہو۔ ستون دوم: غیر اللہ کی احتیاج سے بالا تر ہوتے ہوئے، نفس کو آلائشوں، بدعنوانیوں، کرب و ذنوب سے مبرا کرتے ہوئے اسے تراش کر حشو و زائد سے پاک کر کے اسے طہارت و پاکیزگی سے ہمکنار کرنا اور اس کی محافظت کرنا۔

ایاك نعبد — ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

یہ کلمہ توحید پر دلالت کرتا ہے کہ ایک ہی مولا ہے جو تمام تعریفوں و توصیفوں اور عبادتوں کے قابل ہے۔ وہی صرف عبادت کے لائق ہے، لاشریک ہے، قادرِ مطلق ہے۔

وایاك نستعین — ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں،

یہ اس علم معرفت کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ اللہ کو قرب الٰہی سے نصیب ہوا۔ اس علم کی بنیاد صرف

یہ اس علم معرفت کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ اللہ کو قربِ الٰہی سے نصیب ہوا۔ اس علم کی بنیاد صرف وحدتِ خداوندی اور اس کی عزیز وعلیم ہونے کے رتبے کو پہچاننے سے حاصل ہوتی ہے۔ توحید اسلام کی بنیاد ہے تو معرفت ایمان کی بنیاد ہے۔ راہ حق پر پہلی علامت خالق باری تعالیٰ کے حسنِ انتظام کا مشاہدہ ہے پھر اس کی علیم و بصیر ہونے کی پہچان کرنا ہے۔

پیر طریقت فرماتے ہیں: عارف اس لیے متلاشی حق ہوتا ہے کہ اسے ''حق'' مل گیا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ''حق'' نہیں مل جاتا کہ وہ متلاشی حق ہوتا ہے۔ سبب، مسبب سے جنم لیتا ہے۔ مسبب، سبب سے نہیں۔ ایک تابع فرمان کی تابع فرمانی اس کے اخلاص سے منکشف ہوتی ہے۔ اس کا اخلاص، تابع فرمانی سے نہیں۔ گناہ گار گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس لیے کہ وہ کسی پہلے ہی مقامِ سزا سے گزر رہا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ اپنے گناہوں پر مستوجبِ سزا ہوتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم — ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

تلخیصِ عبادت اور حاصلِ تابع فرمانی ہے۔ یہ اہلِ استغراقِ ایمان کی تمنا، دُعا اور پکار ہے۔ یہ ان کی راہِ حق پر ثابت قدمی اور استواری کی آرزو ہے۔ اہل ایمان کہتے ہیں: اے سبحان اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا راستہ دکھا اور پھر ہمیں توفیق عطا کر کہ ہم اس پر کاربند و ثابت قدم رہیں کہ ہم تیری طرف ملتفت و مائل رہ سکیں۔ اللہ جب راستہ دکھاتا ہے تو اس کی علامت ظہور پذیر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس پر استقلال و ثابت قدمی اپنے آپ کو مرحلہ بہ مرحلہ اس پر قائم رکھنے سے آتی ہے۔ اللہ کی جانب راغب و مائل ہونے کا مطلب ہے کہ خداوند خود اپنے عبد کو اپنے قریب رکھنا چاہتا ہے۔ اس آیتِ ربانی میں اہل ایمان ان تینوں مراحل یعنی راستہ دکھائے جانے، اس پر کاربند رہنے اور سبحان تعالیٰ تک پہنچنے کے مدعی و ملتجی ہیں۔ ہر وہ شخص جس نے راستہ دیکھا ضروری نہیں کہ وہ اس پر چل بھی پڑے اور ہر شخص جو اس پر گامزن ہوا ضروری نہیں کہ اپنے ہدفِ حقیقی تک پہنچ جائے۔ بہت سوں نے اس کے متعلق سنا ہے مگر اسے دیکھا نہیں، بہت سوں نے اسے دیکھا مگر اسے پہچانا نہیں اور بہت سوں نے اسے پہچانا مگر اسے حاصل نہیں کیا۔

بہت سے پیرانہ سال لوگوں نے دلسوز، ولولہ انگیز اور پرتپش دعائیں کیں مگر اونٹ پر سوار نہ ہو سکے مگر بہت سے شرابِ شوق نوش کرنے والوں نے شیر پر سواری کی۔

صراط الذین انعمت علیھم: — ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا کرم و انعام ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ اور راستہ اصحاب کہف کا ہے۔ اہل ایمان کہتے ہیں: اے رب العزت! ہمیں

بارش کر جیسے تو نے اصحاب کہف کو نوازا۔ جیسے کہ تو نے ان کے لیے فرمایا: ''اس غار میں رہو اور نیند کی آغوش میں اتر جاؤ کہ ہم نے تمام اہلِ دنیا کی عبادت پر تمہاری نیند کو فوقیت وفضیلت دی''۔

اے رب العزیز! ہمیں شان، سوز اور شفقت عطا فرما اور ہمارے معاملات کو ایسے سلجھا دے جیسا کہ تو نے اصحابِ کہف کے ساتھ کیا۔ اس لیے کہ جو کچھ بھی ہم اپنے تئیں کرتے ہیں ہمارے لیے باعث خسارہ و ذلت ہے اور جو تو ہمارے لیے کرتا ہے ہمارے لیے باعثِ فخر وعزت ہے۔ اس جہاں میں بھی اور اگلے جہاں میں بھی۔

پیر طریقت فرماتے ہیں: اے رب! ہم اپنے معاملات کو توبہ کے زیور کے بغیر آراستہ نہیں کر سکتے اور نہ ہم میں بعد از توبہ اپنے معاملات کو سلجھانے اور چلانے کی سکت ہی ہے۔ جب کبھی ہمیں گمان ہوتا ہے کہ ہم (منزل مقصود پر) پہنچ گئے ہیں۔ ہمیں پیچھے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریبِ محبت ابھی جاگزین ہے۔ یا رب العالمین! ہم کس دن اس قابل ہو سکیں گے کہ اپنے اُوپر نظر کرنے کی بجائے فقط تجھے دیکھ سکیں۔

یا الٰہی اے پروردگار، ہم اس دن کو کیسے حاصل کریں جب ہم اپنے وجود سے نابلد ہو کر صرف تجھے دیکھ سکیں۔ ہم اس دن کے آنے تک ایک عجیب آتش و دھوئیں میں گم ہیں۔ اگر اس دن کے حصول کے لیے ہم اس دنیا اور اگلی دنیا کی تمنا ترک کر دیں تو یہ منفعت بخش ہے۔

انعمت علیھم — جن پر تیرا انعام واکرام ہوا۔

اسلام اور سنتِ محمدیؐ کی نعمتیں جو آپس میں ملحق ومتصل ہیں۔ اگر یہ دو نعمتیں ملحق ومتصل نہ ہوتیں تو بندوں کا راہِ حق پر کاربند و ثابت قدم رہنا مشکل ہوتا۔ اس لیے کہ سنت کی پابندی کے بغیر اسلام نہیں اور ہر وہ چیز جو سنت نبویؐ سے گریزاں ومتصادم ہے۔ وہ دین حق نہیں ہو سکتی۔ اس لیے پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہ اچھے اقوال اچھے اعمال کے ہمراہ ہیں۔ ''خلوص نیت'' سے دونوں میں مطابقت پیدا کرنا لازمی ہے اور یہ تینوں تابع سنتِ نبویؐ ہونا چاہئیں۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین — ان لوگوں کی راہ پر نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور جو بھٹک گئے۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ، تقلید و ہمراہی سے محفوظ و مامون رکھ جن کو تو نے شمشیرِ جدائی سے الگ کر کے دھتکار دیا تا کہ وہ ذلت، رسوائی اور استرداد کی کھونٹی پر بندھے رہیں۔

ناقابلِ پذیرائی افعال کی کیا وقعت و اہمیت ہے؟ وہ عداوت، انحراف اور روگردانی کی زندگی گزارتے رہے۔ انہوں نے سیدھا راستہ کھو دیا اور ٹیڑھے راستہ کو اپنے زعم میں سیدھا سمجھتے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال و افعال قطعاً رائیگاں گئے۔ مگر وہ اپنے آپ کو برحق اور درست سمجھتے تھے۔

اعمال و افعال قطعاً رائیگاں گئے۔ مگر وہ اپنے آپ کو برحق اور درست سمجھتے تھے۔

واقعہ / روایت

الفاتحہ کو کلید گلستان کا درجہ حاصل ہے۔ اس گلستان کے دروازوں کی طرح سورۂ فاتحہ میں بھی آٹھ ابواب ہیں جب تک کوئی ان آٹھ ابواب کو یقین کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے اعتماد نہ کرے اس پر یہ آٹھ دروازے وانہ ہو گے۔

پہلا باب الحمد کا ہے یعنی ذات الٰہی کا صدق دل سے پُرتہلیل و تسبیح اقرار و اظہار۔

دوسرا باب الرحمن، اس کی صفاتِ اعلیٰ و لافانی پر یقین رکھنا۔

تیسرا باب ایاك نعبد، اس ذات الٰہی کے اختیارات پر یقین رکھتے ہوئے عبادت کرنا۔

باب چہارم ایـاك نستـعین (ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) یوم قیامت و احتساب پر یقین رکھنا اور اسے یاد رکھنا۔

باب پنجم اهدنا (ہمیں دکھا) پاکیزگی نیت اور تزکیۂ نفس کی کاوش۔

باب ششم الـصـراط الـمستقیم (سیدھا راستا) اعلیٰ اور صالح اعمال و افعال سے زیبائش نفس کرنا۔

باب ہفتم صراط الذین (ان لوگوں کا راستہ) اہل اللہ کی اللہ سے رغبت اور اللہ کی ان پر رضا اور خوشنودی۔

باب ہشتم غیرالمغضوب علیهم (ان کی راہ پر نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا) ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنا جو بھٹک گئے جنہوں نے انحراف اور روگردانی کی اور جن سے اللہ نے دستِ رضا کھینچ لیا۔

ان میں سے ہر حصہ گلستان کے دروازہ کی مانند ہے جو بھی سورہ فاتحہ کو اخلاص سے تلاوت کرے۔ اللہ سبحان تعالیٰ اس پر رحمتوں کے یہ آٹھ دروازے وا کر دے گا۔

آج باب عرفان کا حصول کل باب رضوان کا حصول ہے اور یہی قرب رحمان ہے۔

☆☆☆☆☆